تذکرہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے لغوی معنی ذکر، یاد، یادداشت، بیان، یادگار، تاریخ واقعات، سرگذشت اور سوانح عمری وغیرہ کے آتے ہیں۔ لیکن عربی، فارسی اور اُردو زبان میں اصطلاحاً اس لفظ کا استعمال ایک ایسی کتاب پر ہوتا ہے جس میں شعرا کے مختصراً حالات اور ان کا مختلف کلام بطور نمونہ درج کیا گیا ہو۔ سوانحی حالات کے تحت تذکرہ نگار شعرا کے نام اور تخلص، وطن اور جائے پیدائش و قیام، علمی و فنی استعداد، شاگردی و استادی کے سلسلے اور روابط، مزاج کی افتاد اور تصنیفی و تالیفی کارناموں کی نوعیت اور کلام کے معیار و مذاق کے متعلق ابتدائی قسم کی ضروری معلومات فراہم کرتا ہے۔ نمونۂ کلام کے ذیل میں عام طور پر متفرق غزلوں/متفرق اصناف سخن کے منتخب اشعار/ بند پیش کیے جاتے ہیں۔ تذکروں میں عام طور پر متذکرہ شعرا کو حروف تہجی کی رعایت سے ایک متعین مقام پر جگہ ملتی ہے لیکن ترتیب کا یہ طرز/عمل تاریخ ادب کے مزاج سے قطعاً مناسبت نہیں رکھتا، ایک مورخ کی نظر میں تاریخی اور زمانی ترتیب کی اہمیت مقدم ہوتی ہے۔

شعرائے اُردو کے تذکرے تاریخ ادب کا ایک جزو بھی ہیں اور اس کی بنیاد بھی۔ تذکروں نے بلا استثنا جملہ ادبی مورخین کے لیے بطور خاص ادبی تاریخ و تحقیق اور تلاش و جستجو کی ظلمتوں میں قندیل راہ کا کام کیا ہے۔ عہد حاضر میں بھی کوئی ادبی مورخ تذکراتی ادب/ ماخذ کی جانب رجوع کیے بغیر اپنی تحقیق و تاریخ کے مکمل اور مستند ہونے کا دعویٰ ہرگز نہیں کرسکتا۔ تذکراتی ادب کا یہی وہ بنیادی کردار ہے جو ہر صاحب الرائے ادبی شخص کو ان کی لازوال تاریخی، تنقیدی اور ادبی اہمیت کو تسلیم کرنے پر مجبور کرتا ہے۔

تذکرہ نگار کو بیاض نویس کی مجمل بیانی اور مورخ کی مفصل نگاری کے درمیان اعتدال و توازن کی نہایت مشکل ترین راہ اختیار کرنی پڑتی ہے اور اس مرحلے میں وہ وقت

نظر اور قوت فیصلہ کی پے بہ پے آزمائشوں سے دوچار ہوتا ہے، چونکہ ایک طرف تو تذکرہ نگار کے لیے متذکرہ شعرا کی زندگی کے ان جملہ پہلوؤں کی عکاسی ناگزیر ہوتی ہے جن کا مطالعہ کیے بغیر متعلقہ/متذکرہ شاعر کی شخصیت کا ادراک ناممکن ہو، اور دوسری جانب ایسے جملہ واقعات کو نظر انداز کرنا ضروری ہوتا ہے جنھوں نے متعلقہ شاعر کی شخصیت اور فن کی تعمیر میں کوئی خاص/اہم کردار ادا نہیں کیا ہے۔[9]

تذکراتی ادب ہماری ادبی تاریخ کا ایک اہم جزو ہے، تذکرہ نگاری بہ اعتبار فن ایک اعلیٰ وارفع فن ہے، یہ نثری اصناف میں اپنا ایک اہم مقام رکھتی ہے۔ بطور خاص اُردو زبان و ادب کا مورخ تو ان سے استفادہ کیے بغیر ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتا، بلاشبہ انھیں شعرائے اُردو کے تذکروں کی بدولت ہمارے ادب میں سوانحی، تاریخی، تحقیقی اور تنقیدی شعور پیدا ہوا۔ پروفیسر شارب ردولوی کے بقول:

'بعض تنقید نگاروں کا خیال ہے کہ تذکرے بے کار ہیں لیکن نہ تو وہ فضول اور سوختنی ہیں اور نہ ہی تنقید کا بہت بڑا کارنامہ، ہمارے لیے ان کی ایک خاص تاریخی، ادبی اور تنقیدی اہمیت ہے جس کی بنا پر ان کا نظر انداز کر دینا ممکن نہیں ہے۔'[10]

پروفیسر شارب ردولوی کی یہ رائے سو فیصد حقیقت پر مبنی ہے جس سے چنداں انکار ممکن نہیں۔ پروفیسر حنیف احمد نقوی کا یہ قول پروفیسر موصوف کی رائے کو مزید تقویت پہنچاتا ہے:

'کوئی باشعور اور دیدہ ور مورخ یہ جرأت نہیں کر سکتا کہ ماضی کے اس عظیم ورثے کو پائے حقارت سے ٹھکرا کر گزر جائے۔'[11]

شعرائے اُردو کے تذکروں نے ایسے بے شمار فن کاروں کو بے نام و نشان ہونے سے بچا لیا ہے جن کے کارنامے یا تو کسی وجہ سے مدون نہ ہو سکے یا پھر مدون ہونے کے بعد ضائع ہو گئے۔ فن کاروں کے اس زمرے میں ایسے اساتذہ بھی شامل ہیں جنھوں نے انتہائی نازک مراحل میں کاروانِ شعر و سخن کی قیادت کی ہے اور اپنی کوششوں سے ایک نئے

عہد کو جنم دیا ہے۔ مثال کے طور پر مصطفیٰ خاں یک رنگ، خان آرزو اور مظہر جان جاناں جیسے اساتذۂ فن کی تخلیقات کا جس قدر سرمایہ آج موجود ہے وہ تذکروں ہی کے واسطے سے حاصل ہوا ہے۔ تذکرہ نویس حضرات نے شعرا کے تعارف میں اکثر حد درجہ اختصار سے کام لیا ہے، لیکن اس عام خامی کے باوجود یہ تذکرے شعرا کے حالات زندگی، سیرت و شخصیت اور تخلیقی کاوشوں کے متعلق حصول معلومات کا اہم ترین ذریعہ ہیں۔ بعض تذکروں میں ان کے مولفین نے زمانی و مکانی قرب سے پوری طرح فائدہ اٹھا کر ہم عصر شاعروں کے بارے میں ضروری معلومات کا وہ بیش قیمت سرمایہ فراہم کر دیا ہے جو دیگر ذرائع سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اکثر تذکرہ نگار بذات خود بڑے شاعر ہیں۔ انھوں نے متذکرہ شعرا کے کلام کی جن خوبیوں اور خامیوں کو اجاگر کیا ہے یا بعض اوقات اشعار میں لفظی ترمیم و تفسیر کے متعلق جو مشورے دیئے ہیں ان کا مطالعہ خود ان کے رجحان طبع اور نظریۂ فن کو سمجھنے اور ان کی روشنی میں ان کے کلام کو زیادہ بہتر طور پر پرکھنے کے مواقع فراہم کرتا ہے۔

تذکروں میں بعض دفعہ ایسی کتابوں کے حوالے اور اقتباسات بھی مل جاتے ہیں جو یقینی طور پر معدوم ہو چکی ہیں یا جن کی بازیابی کے امکانات تقریباً مفقود ہیں۔ اس قسم کے حوالے محققین ادب کو ایسی نایاب و معدوم کتابوں کی تلاش و جستجو کی جانب متوجہ کرتے ہیں۔ مختلف العہد تذکروں کے تقابلی مطالعے سے زمانے کے ساتھ بدلتے ہوئے ادبی رجحانات، فن کی منزل بہ منزل ترقی اور زبان کے عہد بعہد ارتقا کی رفتار اور کیفیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ کسی شاعر کے کلام کو تاریخی اعتبار سے مرتب کرنے میں تذکروں سے خاص مدد ملتی ہے۔

بعض تذکرہ نگاروں نے اپنے حالات کافی تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں۔ علاوہ ازیں دیگر شعرا کے ذیل میں ان کے قلم سے ضمناً ایسی باتیں نکل گئی ہیں جن سے ان کی سیرت و شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔ اُردو میں میر حسن اور مصحفی کے تذکرے اس لحاظ سے بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ بیش تر تذکروں میں تذکرہ نگار کے علاوہ دوسرے اہل الرائے اور صاحب نظر اساتذہ کے خیالات کا بھی علم ہوتا ہے، مثال کے طور پر

Urdu Tazkira Nig..

قاسم کے تذکرے میں جرأت کے کلام کے متعلق میر کی رائے اور گلشن بے خار میں میر کی شاعری کی نسبت مفتی صدرالدین خاں آزردہ کا قول، تذکرہ نویس حضرات نے مختلف شعرا کے انتخابِ کلام کے تحت ان کی مشہور غزلوں کی زمین میں اپنی اور دوسرے شعرا کی غزلیں یا ان کے منتخب اشعار بھی بطور نمونہ پیش کر دیے ہیں۔ ایسی صورت میں ایک ہی طرح اور ایک ہی قافیے میں مختلف اربابِ سخن کی طبع آزمائی کے نتائج کو سامنے رکھ کر ان کی پرواز خیال، رسائیِ ذہن، انداز نظر اور معیارِ فکر کے اختلاف کی وضاحت ہوئی ہے۔ متعدد تذکروں میں سیاسی خلفشار کے نتیجے میں شعرا کی آشفتہ حالی، نئی نئی پناہ گاہوں کی تلاش میں سرگردانی اور ترک وطن کے واقعات کا بھی جابجا ذکر ملتا ہے۔ ایسے واقعات و بیانات، مختلف زمانوں کے سیاسی اور اقتصادی مسائل، تہذیب و معاشرت اور رسوم و رواج کے مطالعے میں کافی حد تک ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔ اس زاویۂ نگاہ سے بھی بقول پروفیسر حنیف احمد نقوی:

'شعرائے اُردو کے تذکروں کی ایک عمرانی اور تاریخی اہمیت ہے۔'[۳۳]

ذیل میں بابائے اُردو مولوی عبدالحق کی یہ ناقدانہ رائے بھی بڑی اہمیت کی حامل ہے:

'ہمارے شعرا کے تذکرے گو جدید اصول کے مطابق نہ لکھے گئے ہوں، تاہم ان میں بہت سی کام کی باتیں مل جاتی ہیں، جو ایک محقق اور ادیب کی نظروں میں جواہر ریزوں سے کم نہیں۔'[۳۴]

اُردو زبان میں تنقید کی بنیاد تذکروں کے ذریعے ہی پڑی، ان میں تنقید کے جو نمونے ملتے ہیں انھیں باقاعدہ تنقید تو نہیں کہا جا سکتا لیکن یہ اُردو تنقید کا نقش اوّل ضرور ہیں۔ تذکرہ نگار سے شاعر کی مفصل سوانح، مکمل سیرت اور بھرپور تنقید کی توقع عبث ہے۔ تذکروں سے جو تنقیدی معیار مرتب ہوتے ہیں ان پر آج کے ادب کو پرکھنا ممکن نہیں اور نہ ہی تنقید کے جدید پیمانے قدیم ادب کو پرکھنے اور جانچنے کے کام آسکتے ہیں۔ بقول ابواللیث صدیقی:

'ہمیں تذکروں پر تنقیدی و تحقیقی قلم اٹھاتے وقت اس بات کو نظرانداز نہ کرنا چاہئے کہ وہ ایک ایسے عہد، ماحول اور ادبی فضا میں لکھے گئے ہیں جس میں نقد شعر اور سخن فہمی کا معیار

46 of 466

آج کے معیار سے بالکل مختلف تھا۔ اٹھارہویں صدی اور انیسویں صدی عیسوی کے مذاق ادب، طرزِ تنقید اور اندازِ تذکرہ نگاری کو بیسویں صدی عیسوی کے نقطۂ نگاہ سے جانچنا کسی طرح مناسب نہیں۔[۵]

کلیم الدین احمد کو تذکرہ نویس حضرات کے یہاں تنقیدی شعور کا فقدان نظر آتا ہے، تفصیل سے قطع نظر ان کی مشہور زمانہ کتاب 'اُردو تنقید پر ایک نظر' کا یہ اقتباس ملاحظہ کریں:

''تذکرہ نویسوں میں یہ قدرت نہیں کہ وہ واقعات کو اس طرح بیان کریں کہ شاعر کی تصویر میں جان آئے اور وہ بولنے لگے۔ ان کی اہمیت تاریخی ہے، ادبی مطلق نہیں۔ شاعر کی ہستی گویا معلق فضا میں آویزاں نظر آتی ہے۔ یہ تنقید محض سطحی ہے۔ اس کا تعلق زبان، محاورہ اور عروض سے ہے۔ جہاں تک تنقید کا واسطہ ہے ان تذکروں کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔''[۶]

کلیم الدین احمد کی اس تنقیدی روش سے کوئی بھی ادیب یا ناقد متفق نہیں ہوسکتا۔ پروفیسر نورالحسن نقوی کلیم الدین احمد کے مذکورہ بیان کی تردید میں یوں رقم طراز ہیں:

'کلیم الدین احمد تذکروں کو محض لفظی اور فضول عبارت آرائی کہتے ہیں، سید عابد علی تذکروں کو ایسی اصطلاحات قرار دیتے ہیں جن کے پیچھے ایک جہان معنی پوشیدہ ہے اور مختلف اصطلاحوں کو ایسے معنی پہنائے ہیں جو کبھی تذکرہ نگار کے ذہن میں بھی نہ آئے ہوں گے، گویا کلیم الدین احمد ایک انتہا پر ہیں تو یہ دوسری انتہا پر۔ وہ تذکروں کی خوبیوں سے چشم پوشی کرتے ہیں تو یہ خامیوں سے۔ یہ تذکرے نہ تو خامیوں سے یکسر پاک ہیں نہ سراسر بے کار۔ نقائص کے باوجود ان کی ادبی، تاریخی اور تنقیدی اہمیت مسلم ہے۔'[۷]

آج تنقید میں ایک ہی بات کو کئی جملوں اور پیراگراف میں بیان کیا جاتا ہے۔ اس وقت انھیں تذکرہ نگار مختصراً پیش کرتا تھا، چونکہ تذکرے کا اختصار مزید تفصیل میں جانے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ تذکرہ نگار اپنی بات محض اس وقت کے قاری تک پہنچانا چاہتا تھا اور اس کے لیے یہ الفاظ کافی تھے۔ ہر ادب اپنے زمانے اور عہد کی پیداوار ہوتا ہے۔ اس کا مطالعہ بھی اسی ماحول اور تاریخی تناظر میں ازبس ضروری ہے ورنہ ناقدین ادب اپنے فرائض

46% 9:15 PM

کو بہتر طور پر انجام نہیں دے سکتے۔ پروفیسر شارب ردولوی تذکروں میں تنقیدی عناصر کی نشاندہی اس طرح کرتے ہیں:

'تذکروں کو کوئی تنقیدی کارنامہ نہیں قرار دیا جا سکتا، ان میں جو رائیں ملتی ہیں وہ عام طور پر گروہ بندیوں پر منحصر ہے۔ اس لیے بعض جگہوں پر صرف کسی دوسرے گروہ سے تعلق کی بنا پر شاعر کو ہدف ملامت بنایا گیا ہے۔ گرویزی اور نکات الشعرا کے جواب میں لکھے گئے تذکروں کا یہی حال ہے۔ اسی طرح بعض جگہوں پر تعریف میں مبالغے کا احساس ہوتا ہے، لیکن اس طرح کی جانبداری اس عہد کی تنقید میں ملتی ہے، بالکل غیر جانب دار تنقید کا تصور تقریباً ناممکن ہے۔'[۸]

ڈاکٹر شارب ردولوی اپنی رائے کے آخر میں تذکرہ نگاروں کی کوتاہیوں کو درگزر کرتے نظر آتے ہیں۔ یعنی ان کے نزدیک ہر عہد میں جانب داری سے پاک تنقیدی ادب کا تصور خیال خام ہے، جس سے انکار ممکن نہیں۔ بہر نوع تذکروں کی اپنی ایک ادبی اور تنقیدی اہمیت ہے۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی کے بقول:

'تذکرہ نگار اس اعتبار سے بہت کامیاب ہیں کہ انھوں نے باوجود محدود میدان کے شاعروں کے تھوڑے بہت حالات بھی بیان کیے، ان کی سیرت اور مزاج کی تصویریں بھی کھینچیں اور ساتھ ہی ان کے ادبی کارناموں پر تنقیدی اشارے کیے۔'[۹]

بعض شعرا کے تذکروں میں واقعات کی تاریخیت کو ملحوظ نہیں رکھا گیا، بنا بریں محققین ادب کے لیے زمانی و مکانی بحثوں میں ایک تاریخی اور ادبی پیچیدگی پیدا ہو گئی ہے، پھر بھی ان میں بعض ایسے حالات و واقعات مل جاتے ہیں جن سے سنین کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ بیش تر تذکرے ایسے بھی ہیں جن میں سنین کا پورا پورا التزام ہے۔ مثلاً میر حسن، مصحفی اور شفیق وغیرہ نے اپنی سعیِ کامل سے تاریخیں پیش کی ہیں، گلزار ابراہیم، گلشن ہند اور مولوی کریم الدین پانی پتی کے تذکرے کی تو خصوصیت ہی یہ ہے کہ ان میں جدید اثرات کی فضا میں تاریخی حس بیدار نظر آتی ہے، لیکن تذکروں کے مذکورہ عیوب سے چشم پوشی حقائق سے

voot ··· Vo)) LTE 4G 46% 9:15 PM
Urdu Tazkira Nig..

منحرف ہونے کے مترادف ہے۔ڈاکٹر سید عبداللہ کے بقول:

'یہ اقرار کرنا چاہئے کہ اگر ہمارے اعلیٰ تذکروں میں تاریخیں دی جاتیں تو یقیناً یہ مکمل تصنیفیں بنْ جاتیں اور ان کا پایہ بہت بلند ہو جاتا'۔[10]

مزید برآں ڈاکٹر سید عبداللہ نے تذکروں کے قدیم و جدید معترضین کے اعتراضات اور ان کی کوتاہ نظری کو ذہن میں رکھتے ہوئے اپنے استدلالی طرز بیان میں اس خوبصورتی سے جواب پیش کیا ہے کہ حقیقت منکشف ہوگئی ہے:

'معترضوں کے بہت سے اعتراضات کی اصل بنا یہ ہے کہ ان میں سے ہر شخص اپنے اپنے رجحان طبع کے مطابق تذکرے پر نظر ڈالتا ہے۔کوئی اس کو جامع اور مفصل دیکھنا چاہتا ہے تو کوئی اس میں عمدہ اور بکثرت انتخاب کا متلاشی ہے، کوئی کہتا ہے کہ اس میں لٹریری ہسٹری کے انداز پر ادوار کی تاریخیت موجود ہونا چاہئے، کسی کا یہ ارشاد ہے کہ سیرت کی دقیق باریکیاں دکھلا کر ہر تصویر کو ہو بہو اور مکمل بنانا چاہئے، کوئی یہ خواہش کرتا ہے کہ کاش اُردو تذکروں میں تنقید ہوتی، غرض ہر فرد تذکروں میں اپنے میلان کی جستجو کرتا ہے اور اس کے علاوہ باقی پہلوؤں کو نظر انداز کر دیتا ہے'۔[11]

شعرائے اُردو کے تذکرے ہمارے قدیم تاریخی، تحقیقی اور تنقیدی ادب کا ایک اہم حصہ ہیں۔اس لحاظ سے ان کی ادبی اہمیت مسلم ہے۔کلیم الدین احمد کا یہ بیان کہ ان کی اہمیت تاریخی ہے، تنقیدی نہیں، حقیقت پر مبنی نہیں بلکہ جذباتیت پر مشتمل ہے۔سچ تو یہ ہے کہ ہماری ناقدانہ بصیرت کو پروان چڑھانے اور موجودہ مقام تک پہنچانے میں تذکرہ نویس حضرات کا خونِ جگر بھی شامل ہے۔بلاشبہ اُردو تحقیق و تنقید کا یہ گلزار جو آج سرسبز و شاداب نظر آتا ہے اس کی آبیاری شعرائے اُردو کے تذکروں نے ہی کی اور انھیں سے فن سیرت نگاری اور تاریخ نویسی کو جلا ملی ہے۔پروفیسر حنیف احمد نقوی شعرائے اُردو کے تذکروں کی فنی، تاریخی، سوانحی، تنقیدی اور ادبی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

'تذکرہ نویسی کا فن نہ تو براہِ راست تاریخ نگاری کے ذیل میں آتا ہے نہ اسے فن

Urdu Tazkira Nig..

سیرت یا سوانح نگاری کے تحت رکھا جا سکتا ہے اور نہ اس کا دائرۂ کار تنقید کی طرح صرف اچھے برے کی پرکھ تک محدود ہے بلکہ درحقیقت یہ ان تمام فنون یا اصناف ادب کا آمیزہ اور بجائے خود ایک فن یا صنف ادب ہے۔ تذکرہ نگار شاعر کے مختصر حالات زندگی قلم بند کرتا ہے، اس کی شخصیت کی تعمیر میں کارفرما عوامل کا ذکر کرتا ہے، اس کی وضع قطع اور عادات و اخلاق کی کیفیت بیان کرتا ہے اور اس کے کلام کی خوبیوں اور خامیوں پر اجمالی انداز میں تبصرہ کرتے ہوئے آخر میں بطور نمونہ چند اشعار پیش کر کے اپنی ذمے داریوں سے سبکدوش ہو جاتا ہے۔ اگر تحقیق و جستجو کے دوران کسی محقق کو تذکروں کی تشنگی اور تنگ دامانی کا احساس ہوتا ہے تو یہ ایسا نقص نہیں جس کی بنا پر پوری صنف کو دفترِ بے معنی قرار دے دیا جائے، اُردو کی توسیع و ترقی کے لیے کی گئی کوششوں کی روداد جب بھی قلم بند کی جائے گی تذکروں سے دامن بچا کر گزر جانا ممکن نہ ہوگا۔'[12]

○○○